عہد رفتہ کی چند یادیں

از

فقیہ العصر حضرت مولانا

مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی

نور اللہ مرقدہ

فقیہ العصر حضرت مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عہد رفتہ کی چند یادیں

عزیزم و مکرم مولانا محمد قاسم صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

(مہتمم جامعہ قاسم العلوم فقیروالی)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد صاحبؒ کی سوانح ''ماہ فضل وکمال'' نظر سے گذری اور ۵۲-سالہ پرانی یادیں تازہ ہوگئیں اور بعض امور کا مزید انکشاف بھی ہوا، اس سے پہلے ایک مضمون مولانا فضل محمد صاحب مرحوم کے بارہ میں ایک ماہنامہ میں پڑھ کر خوشی ہوئی تھی، اس کے بعد معلوم ہوا تھا کہ مولانا مرحوم کے بارہ میں مفصل سوانح لکھی جارہی ہے اس لئے اس کا اشتیاق رہا اب برخوردار مولوی عبدالقدوس ترمذی سلمہ نے سوانح دی تو احقر اس کے ملاحظہ سے مزید خوش ہوا، اللہ تعالیٰ مؤلف سلمہ کو جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے مولانا فضل محمد صاحب ''ماہ فضل وکمال'' کا تعارف کرایا۔ کتاب میں تصویر کے طبع ہونے سے افسوس ہوا، یہ شرعاً تو غلط ہے ہی ہمارے اکابر اور بطور خاص صاحب سوانح کے ذوق کے بھی سخت خلاف ہے اس لئے آئندہ ایڈیشن میں اس کو ضرور حذف کردیا جائے۔

اس کتاب میں والد گرامی حضرت مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلوی ترمذیؒ

(سابق مفتی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر یو۔ پی ہندوستان) کے بعض خطوط شائع کرکے مزید مسرور کیا گیا ہے، اس تقریب سے احقر کو بھی اپنی کہانی، ان خطوط کا پس منظر اور متعلقہ واقعات مزید افادہ کیلئے مختصر طریقہ سے پیش کرنے کا موقع مل گیا جو ذیل میں سپرد قرطاس کئے جارہے ہیں۔

افتتاح دورۂ حدیث شریف

(قصہ یہ ہوا تھا کہ) حضرت مولانا فضل محمد صاحب مرحوم نے اپنے مدرسہ قاسم العلوم فقیروالی میں دورۂ حدیث شروع کرکے اس کو بدر کامل بنانا چاہا تو حضرت مرشدی مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے شیخ الحدیث کیلئے دیوبند مشورہ کیا، حضرت مفتی صاحبؒ موصوف کے مشورہ کے بعد سفارشی خط لے کر مولانا مرحوم خود حضرت والد صاحبؒ کی خدمت میں تشریف لائے تھے، ان دنوں حضرت والد صاحبؒ کے زیر اہتمام دو عربی مدرسے چل رہے تھے ایک "مدرسہ حقانیہ" کے نام سے شاہ آباد ضلع کرنال میں دوسرا راجپورہ ریاست پٹیالہ میں "عربی مدرسہ" کے نام سے، اس میں جناب استاذی مولانا سمیع اللہ خان صاحب مرحوم برادر حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ بھی ایک عرصہ تک بطور مدرس عربی قیام پذیر رہے ہیں اور احقر کے بھی ابتدائی اساتذہ میں سے بڑے ہی مشفق استاذ تھے۔

۱۶؍رجب المرجب ۱۳۶۲ھ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کی وفات ہوچکی تھی شوال ۱۳۶۳ھ میں حضرت والد صاحبؒ کا تقرر مدرسہ قاسم

العلوم فقیروالی میں بطور شیخ الحدیث ہوا (احقر کا داخلہ مظاہر العلوم سہارنپور میں ہو چکا تھا مگر بقرہ عید کے بعد حضرت والدصاحبؒ نے فقیروالی اپنے پاس ہی بلالیا تھا) بخاری شریف وغیرہ صحاح ستہ کے بعض اسباق کے علاوہ احقر کی جلالین شریف کا سبق بھی حضرت والدصاحبؒ کے پاس ہی ہوتا تھا۔ اس وقت کے دورہ کے شریک طلباء میں سے مولانا قطب الدین صاحب کا نام یاد ہے، کچھ دنوں کے بعد جناب مولانا ظہور احمد صاحبؒ دیوبندیؒ عمزادہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کو بھی قاسم العلوم میں بطور مدرس بلالیا گیا تھا، ان دنوں وہ دارالعلوم دیوبند سے جامعہ ڈابھیل مدرس ہو کر چلے گئے تھے، مولانا مرحوم بڑے فاضل، منکسر المزاج اور دارالعلوم دیوبند کے پرانے ماہر اساتذہ میں تھے بعد میں جامعہ اسلامیہ میں مدرس ہوگئے تھے ان کے پاس دورہ کے اسباق میں سے ابوداؤد شریف کے سبق کے علاوہ احقر کی مشکوٰۃ شریف کا سبق اور ہدایہ اخیرین اور منطق کا ایک سبق تھا، حضرت مولانا مرحوم سے احقر نے مشکوٰۃ شریف مکمل پڑھی ہے فرمایا کرتے تھے کہ اس کتاب میں میرے استاذ مولانا مناظر احسن گیلانی ہیں، اس نسبت سے مولانا مناظر احسن صاحبؒ احقر کے دادا استاذ ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہدایہ اخیرین کے غالباً باب السلم کی ابتداء میں احقر نے اپنی کم فہمی سے کوئی سوال کر دیا مولانا مرحوم نے جواب دیا مگر احقر کی سمجھ میں نہیں آیا، سوال وجواب کا سلسلہ طویل ہوگیا تو مولانا مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کو بہت بلند

درجے عطافرمائیں) نے فرمایا کہ مفتی صاحب سے بات کریں گے، چنانچہ دوپہر کے کھانے پر مولانا مرحوم نے خود ہی حضرت والد صاحبؒ کے سامنے اختلافی بات پیش فرمائی کہ یہ یوں کہتا ہے میں یوں کہتا ہوں ہمارا اختلاف ہوگیا ہے،حضرت والد صاحبؒ نے اس عبارت کے متعلق ایک مختصر سی ایسی جامع بات فرمادی کہ ہم دونوں کا اختلاف ختم ہوگیا، یہ مولانا کی منکسر المزاجی تھی ورنہ احقر کی ان کے سامنے حیثیت ہی کیا تھی۔اسی سال ۱۰ربیع الاول ۱۳۶۳ھ کواحقر کے ماموں عبدالمجید مرحوم کا انتقال راجپورہ کے قریب ایک گاؤں ’’اڑدن‘‘میں ہوگیا، یہی گاؤں ہماری ننھیال کا گاؤں تھااور یہ عجیب گاؤں تھا کہ اس میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کوبھی حضرت والد صاحبؒ نے تشریف لے جانے پر راضی کرلیا تھااور آپ ازراہ شفقت ۱۳۴۱ھ میں وہاں تشریف لے گئے تھے۔راجپورہ کے بازار میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ کاوعظ ’’شرط التذکر‘‘ آیت انما یتذکر اولو الالباب پرہوا،غیر مسلم سامعین بھی شریک تھےاور وہ بھی محظوظ ہورہے تھے،حضرت والد صاحبؒ نے ہی اس کولکھا تھا، دوسرا وعظ اس سفر میں انبالہ شہر میں حدیث انما شفاء العی السوال پرہوا،اس کانام ’’شفاء العی‘‘ ہے یہ بھی حضرت والد صاحبؒ کالکھا ہوا ہے، یہ دونوں وعظ مطبوعہ ہیں اور ملتے ہیں والحمد للہ علی ذلك ،اس گاؤں میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا ظہور احمد صاحبؒ بھی تشریف لے گئے تھے جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ ماموں صاحب مرحوم کے انتقال کی خبر پر حضرت والد صاحب فقیر والی سے اڑ دن تشریف لائے احقر بھی ہمراہ تھا، کچھ دنوں بعد احقر کی خالہ صاحبہ کا انتقال بھی وہاں ہی ہوگیا جو کہ اپنے بھائی کے انتقال کی خبر سن کر اڑ دن ہی میں آئی تھیں اور ان کے انتقال کے ہفتہ بعد احقر کی والدہ ماجدہ مرحومہ کا انتقال بھی وہاں ہی ہوگیا، بیس یوم میں تینوں بھائی بہن (رحمہم اللہ وغفر لہم) اس دنیا سے رخصت ہوگئے انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

انگریزی زبان کی تنگ دامانی

لطیفہ: زبان انگریزی کی تنگ دامانی کا حال یہ ہے کہ احقر اڑ دن سے راجپورہ اسٹیشن پر خالہ کی وفات کی فقیر والی تار کے ذریعہ اطلاع کرنے آیا، یہ اسٹیشن جنکشن تھا سرہند شریف، لدھیانہ، لاہور کیلئے بھی اور پٹیالہ، بھٹنڈہ، سمہ سٹہ کیلئے بہاولنگر جانے کا راستہ یہی تھا پھر وہاں سے فقیر والی جایا کرتے تھے، راجپورہ میں اسٹیشن ماسٹر کو خالہ کی انگریزی نہ ملی ڈکشنری دیکھتے رہے مگر کوئی لفظ نہ ملا، آخر یہ ہوا کہ والدہ کی بہن کے لفظوں سے خالہ کے انتقال کی خبر دی گئی، یا شاید حضرت والد کی طرف سے بیوی کی بہن کے الفاظ لکھے گئے تھے، یہ حال ہے انگریزی زبان کی وسعت کا جس پر ہمارے آج کل کے اچھے اچھے سمجھدار نوجوان لٹو ہو رہے ہیں اور اس کو بین الاقوامی زبان کہا جاتا ہے وہ حالانکہ ایک خاندان اور کنبہ کے

ناموں کے بتلانے سے بھی قاصر ہے اور اس کو ایک قبیلہ کی زبان کہنا بھی زیبا نہیں معلوم ہوتا فیا للعجب۔

انگریزی تعلیم کی قباحت

منجملہ زبانوں کے یہ بھی ایک زبان ہے اور تبلیغ کیلئے ہر ملک کی زبان سیکھنی فرض کفایہ بھی ہوسکتی ہے مگر کیا ضروری ہے کہ ہر شخص یا ہر عالم اس کے پیچھے لگا رہے اور اس کی فضیلت اور منقبت کے گیت گانے میں ہی مصروف رہے۔ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا ہر عالم مبلغ بن سکتا ہے اور غیر ملکوں میں تبلیغ کی اہلیت اور شرائط ہر ایک کو حاصل ہیں، پھر اس زبان کے سیکھنے سے کیا مقصد یہی تبلیغ دین ہی ہوتا ہے یا سرکاری عہدہ اور مناصب کا حصول مطمح نظر ہوتا ہے اور اکثر دیکھنے میں یہی آرہا ہے کہ اس زبان کی تحصیل کے بعد اچھے اچھے ذی استعداد علماء جنہوں نے آٹھ آٹھ سال قومی چندوں سے قرآن وسنت کا علم حاصل کیا ہوتا ہے اور ان سے امیدیں وابستہ ہوتی ہیں کہ وہ قوم کی آرزوؤں کے مطابق دینی خدمات انجام دیں گے اور اپنے اساتذہ کرام اور محسنین عظام کی تمناؤں کو پورا کریں گے مگر ان کا مقصود صرف اور صرف معاش کا مسئلہ ہے جو سب سے مقدم ہوجاتا ہے اور "وہ بس ایک معزز پیٹ ہے" کا مصداق بن کر رہ جاتے ہیں اور جو کچھ پڑھا لکھا ہوتا ہے اسے دل سے صاف بھلا دیا کہہ دیتے ہیں۔ پھر زبان دانی تک ہی نہیں اس سے بڑھ کر بول چال، لباس اور طرز معاشرت بھی انگریزی ہو

جاتی، ہے وہ صرف انگریزی زبان ہی نہیں سیکھتے تمام تر انگریزیت کو اپنا لیتے ہیں
اور سر سے پاؤں تک انگریزیت میں ڈوبے ہوئے ہونے کے باوجود انگریزوں
کی مخالفت کا بڑے زور سے زبان پر دعویٰ ہوتا ہے اور لمبی چوڑی تقریریں بھی
کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر المیہ یہ ہے کہ پھر ان کو مدارس عربیہ کے صرف
عیوب ہی عیوب نظر آنے لگتے ہیں، مدارس کی کوئی خوبی ان کے پیش نظر نہیں رہتی،
اس احسان فراموشی کی مثال شاید ہی دوسرے اداروں کے فارغین میں کہیں ملتی
ہو کہ سب کچھ سیکھا مدارس عربیہ میں (سوائے انگریزی طرز معاشرت اور زبان
دانی کے) اور گایا کالجوں کا، سنا تو یہ تھا کہ جس کا کھائے اس کا گائے مگر یہاں الٹی
ہی گنگا بہہ رہی ہوتی ہے کہ کھایا مدارس عربیہ کا اور گایا جاتا ہے اسکولوں اور کالجوں
کا۔فالی اللہ المشتکی۔

حضرت والد صاحبؒ کے مکتوبات میں راجپورہ اور اڑدن کا ذکر آیا ہے
اس لئے ان دونوں کا تعارف کسی قدر راحقر کی اس تحریر میں آ گیا ہے۔

والدہ صاحبہ کے انتقال کی خبر سن کر حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا
منظور احمد صاحب مرحوم بھی اس گاؤں میں تعزیت کے سلسلہ میں تشریف لائے
تھے، چونکہ حضرت والد صاحبؒ اسی گاؤں میں قیام پذیر تھے ہمارے ماموں کے
مکان کے متصل مسجد تھی اس کے متصل حجرہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کا قیام تھا،
اسی مسجد میں حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بھی نمازیں ادا فرمائی تھیں جب وہ

وہاں تشریف لے گئے تھے۔

علمی مذاکرات

حضرت والد صاحبؒ کے حضرت مفتی صاحبؒ سے بہت ہی بے تکلفانہ برادرانہ مراسم تھے صحیح تو یہ ہے کہ ان کی جھلک بھی تحریر میں نہیں دکھلائی جاسکتی وہ تو دیکھنے سے ہی تعلق رکھتی تھی، دونوں حضرات کے آپس میں علمی مذاکرات بہت ہوا کرتے تھے اور خوب مجلسیں ہوا کرتی تھیں، اس حجرہ میں بھی مسئلہ وراثت میں کچھ گفتگو ہوئی تھی، مسئلہ زیر بحث پوری طرح یاد نہیں مگر اتنا یاد ہے کہ زیر بحث مسئلہ ایسے مورث کے بارہ میں تھا جس کے ورثاء کی فوتگی کی ترتیب معلوم نہ ہو تو اس کی میراث کس طرح تقسیم ہوگی ؟ حضرت والد صاحبؒ نے اس کا جو جواب دیا حضرت مفتی صاحب نے بہت مسرت اور اطمینان کا اظہار فرمایا تھا، جزاھما اللّٰہ تعالی۔

علم میراث میں مہارت

حضرت والد صاحبؒ کو حق تعالی جل شانہ کے فضل وکرم سے مسئلہ وراثت میں بہت ہی مہارت حاصل تھی، زمانۂ قیام تھانہ بھون میں بھی حضرت مفتی صاحبؒ دیوبند سے تھانہ بھون میں اکثر مشاورت کیلئے استفتاء ہمراہ لے کر آیا کرتے تھے اور شب میں دونوں مشورہ کر کے جوابات لکھا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسے استفتاء کی تعداد بہت زیادہ تھی مگر تھوڑی دیر میں حضرت

والدصاحبؒ نے فرمایا کہ یہ تو ہو گئے اور ہوں تو وہ بھی لا یئے ،حضرت مفتی صاحبؒ نے حیرت کے لہجہ میں فرمایا کہ اتنے فتاویٰ اتنی جلدی کیسے لکھ دیئے؟ دیکھا تو ان میں زیادہ تعداد ایسے استفتاء کی تھی جن میں تنقیحات کی ضرورت تھی، حضرت والدصاحبؒ نے ان پر تنقیحات لکھ دیں تشقیق سے جواب نہیں دیا،فتویٰ کا اصول بھی یہی ہے کہ سائل سے پہلے شق کی تعیین کرائی جائے ورنہ وہ اپنی پسند کی شق پر جواب سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا،حضرت مفتی صاحب بہت ہی خوش ہوئے اور مسرت کا اظہار فرمایا۔حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے بھی اپنے والدصاحب مرحوم کی ازواج کے مہروں کی تقسیم کا مسئلہ جو عرصہ گذر جانے کی وجہ سے بہت سے بطون پر مشتمل اور نہایت طویل تھا حضرت والدصاحبؒ کے ہی سپرد فرمایا تھا۔

اسی سفر میں راجپورہ مسجد مہندر گنج متصل اسٹیشن میں شب میں حضرت والدصاحبؒ نے حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا وعظ کہلایا اور ابتداء میں خود بھی بہت زوردار تقریر مرزا محمود قادیانی کے خلاف کی،اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ وہاں آنے والا تھا،حضرت مفتی صاحبؒ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ مجھے بھی حیرت ہو رہی تھی کہ آج شیخ کو اتنا غصہ کیوں آرہا ہے اب اس کی وجہ معلوم ہوئی۔ راجپورہ سے فقیر والی تک یہ سفر اکٹھے ہوا،احقر اور میاں محمد رضی مرحوم حضرت مفتی صاحبؒ کے صاحبزادہ بھی ہمراہ تھے،ان دنوں حضرت مفتی صاحبؒ ایک رسالہ

رسم الخط پر لکھ رہے تھے، حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ خوب بحث ہوتی رہی اور ریل میں وہ رسالہ فقیر والی کے سفر میں مکمل ہوا تھا۔

عکس حضرت مدنیؒ

حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ احقر کا قیام سالانہ امتحان شعبان ۱۳۶۳ھ تک مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی میں ہی رہا، مولانا فضل محمد صاحبؒ کی طبعی تواضع اور خدمت کا جذبہ قابل دید تھا جو پہلے خانقاہ تھانہ بھون کی تعلیم بعد میں حضرت اقدس مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی تواضع کی عملی تصویر اور عکس تھا، حضرت والد صاحبؒ کی علمی عظمت اور شیخ الحدیث کے منصب کا لحاظ اور حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے ساتھ خصوصی نسبت کا جتنا بھی خیال رکھا جاتا وہ اپنے محل میں تھا مگر احقر جو ہر طرح سے خورد اور طالب علم تھا اس کے ساتھ بھی بہت ہی شفقت کا معاملہ فرماتے تھے، صبح کے وقت گھی کا پراٹھا اور انڈہ بنوا کر گھر سے خود ہم دونوں کیلئے لاتے اور بڑی محبت سے کھلا کر برتن خود ہی واپس لے جاتے، یہ کام کسی طالب علم سے بھی لیا جا سکتا تھا مگر مولانا مرحوم کی یہ اپنے بڑوں کے حق عظمت کی ادائیگی اور خوردوں کے ساتھ شفقت کا اظہار تھا جو ہم سب کیلئے سبق آموز اور اسوہ بنانے کے قابل ہے وانّٰی لنا ذالک۔

ہمارے اب کے مولانا محمد قاسم سلمہ اس وقت صرف محمد قاسم تھے اور بہت چھوٹی عمر میں تھے، ایسی خدمت بجالانے کی عمر میں نہ تھے لیکن اب یہ سن

کر خوشی ہوتی ہے کہ وہ اپنے والد گرامیؒ کے نقش قدم پر ہیں اور اپنے بڑوں کا حق عظمت ادا کرنے اور چھوٹوں پر شفقت کرنے میں دریغ نہیں کرتے سلمہم اللہ تعالیٰ وابقاہم۔

اسی دور کا واقعہ یاد آیا جب ہم ان سے نام پوچھتے تو وہ بجائے محمد قاسم کے اپنا نام قاسم العلوم یعنی مدرسہ کا نام بتلایا کرتے اور ہم سب کیلئے لطف اندوز ہونے کا سامان بن جاتا، خوب ہنسی ہوتی اس وقت محمد قاسم اور قاسم العلوم میں کوئی فرق کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو تھے ہی ایک جان دو قالب، ماشاء اللہ بعد کے حالات نے ثابت کردیا کہ مولانا محمد قاسم صاحب سلمہ نے قاسم العلوم کو جامعہ بنا دیا، وللہ الحمد، اللّٰھم زد فزد۔

امامت اور تجوید وقراءت کی تدریس

حضرت مولانا فضل محمد صاحبؒ کی شفقتوں ہی کا اثر تھا کہ احقر کو بعض طلباء دورۂ حدیث اور بعض اساتذہ کرام درجہ قرآن کریم کو "مقدمہ جزریہ" تجوید میں پڑھانے کیلئے سپرد فرمایا، اپنی نااہلی کے باوجود حسب استطاعت احقر نے یہ خدمت انجام دی اور مسجد کا جو اس وقت چبوترہ ہی تھا اس پر جماعت کرانے کیلئے بھی احقر ہی کو حکم دیا، کئی ماہ تک حسب الحکم یہ خدمت بھی انجام دی، مسجد کی تعمیر ہمارے بہت بعد ہوئی۔

حضرت مولانا محمد شریف کشمیریؒ

شعبان ۱۳۶۳ھ میں سالانہ امتحان کیلئے دیوبند سے حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیریؒ تشریف لائے، چونکہ مدرسہ دیوبند کی شاخ اور اس سے ملحق تھا اسی امتحان پر دارالعلوم دیوبند میں داخلہ مل جاتا تھا اور دارالعلوم میں داخلہ کی دشوارترین گھاٹی سے گذرنے کی ضرورت نہیں رہتی تھی، چنانچہ احقر ناقص العلم والفہم کا دارالعلوم میں داخلہ بھی اسی امتحان اور حضرت کشمیریؒ کی سعی سے ہی ہوا تھا ورنہ ہماری ایسی استعداد کہاں تھی کہ ہم وہاں کے امتحان داخلہ کی وجہ سے داخلہ حاصل کرسکتے، ہم جیسے تو وہاں فیل ہی تھے، یہ حضرت مولانا کشمیریؒ کا احقر پر ایسا احسان ہے جو کہ تمام عمر یادرکھنے کے لائق ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، اس کا صلہ بجز دعاء خیر کے کچھ بھی نہیں دیا جاسکتا، عجیب بات ہے کہ مولانا کشمیریؒ نے فقیروالی میں ہی ایک مرتبہ حضرت والد صاحب سے ملاقات کی تھی مگر اس ایک ہی دفعہ کی ملاقات میں اس قدر متاثر ہوئے کہ خیرالمدارس ملتان میں جب بھی ملنا ہوتا اور سال میں ایک مرتبہ تو مجلس شوریٰ کے اجلاس میں ملاقات وزیارت ہو ہی جاتی تھی تو ملتے ہی حضرت والد صاحبؒ کی ذہانت، فطانت نیز متانت اور بارعب چہرہ کا ذکر بڑی محبت سے وقیع انداز میں فرمایا کرتے تھے اور یہ معمول آخر تک رہا۔ حضرت علامہ مولانا محمد شریف کشمیریؒ اگرچہ احقر کے باقاعدہ استاذ نہیں تھے مگر انہوں نے امتحان لیا تھا، ممتحن بھی چونکہ استاذ ہی ہوتا ہے اس

حیثیت سے وہ میرے اساتذہ میں ہی ہیں۔

جامعہ قاسم العلوم فقیر والی میں اس وقت بھی کتب خانہ بہت عمدہ اور بڑے کتب خانوں میں شمار تھا، مولانا فضل محمد صاحبؒ کو کتابوں کے جمع کرنے کا بہت ذوق اور سلیقہ تھا اور رب کریم کی کرم نوازی تھی۔

ایک کمیاب کتاب

ایک کتاب اس وقت کی وہاں دیکھی ہوئی اب تک مجھے دستیاب نہ ہوسکی، اس کا نام ''الفرقان بین موجبات الکفر والایمان'' ہے، اس میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی ؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی خط وکتابت بھی ہے اور حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ وغیرہ اکابر کے بعض اشخاص کے بارہ میں فتوی بھی ہیں، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر ضلع اعظم گڑھ کے بارہ میں بھی ایک فتوی ہے حضرت والد صاحبؒ کے بھی اس پر دستخط ہیں، یہی خط وکتابت زیادہ تر سید سلیمان ندویؒ کے حضرت حکیم الامت سے تعلق کا سبب بنی اس کے بعد حضرت سید صاحبؒ حضرت حکیم الامت کی بارگاہ عالیہ میں آئے اور ندوی سے تھانوی بنے پھر وہاں کے ہی ہوکررہ گئے، آخر عمر تک اسی نسبت تھانوی کا حق ادا فرماتے رہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

شان جامعیت

ایک دوسری کتاب حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادیؒ

(جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث بھی ہوئے) کی تراجم بخاری پر ہے، احقر کا خیال تھا کہ یہ کتاب وہاں رہ گئی ہے مگر حضرت مولانا مرحوم نے اس کا انکار فرمایا اور تنبیہ کے لہجہ میں جواب تحریر فرمایا جس کا آں موصوف کو ہر طرح حق تھا، آج تک وہ کتاب دوبارہ نہیں ملی ویسے سنا ہے کہ وہ دوبارہ شائع ہوگئی ہے اور اب ملتی ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوگا کہ یہ حضرات جامع ہوتے ہیں جس طرح وہ متواضع اور منکسر المزاج ہوتے ہیں اسی طرح اگر تربیت کیلئے تنبیہ اور زجر کی ضرورت ہوتو چشم پوشی اور عرفی تواضع سے کام نہیں لیتے بلکہ اس کا بھی حق ادا کرتے ہیں اور یہ سب کچھ اخلاص اور صلاح کیلئے ہوتا ہے۔

پھر اب تک فقیر والی حاضری کی نوبت نہیں آئی، کئی دفعہ دل چاہا کہ جنگل بیاباں میں اب سے ۵۲ سال پہلے جس قاسم العلوم کو اس کے ابتدائی دور میں دیکھا جبکہ عمارتیں کچی تھیں اور ڈگی کا پانی استعمال ہوتا تھا، جب بہاولنگر سے ریل آتی تھی تو گھڑا اٹھا کر بھاگا کرتے تھے کہ انجن سے پینے کا میٹھا پانی حاصل ہو جائے اور اس سے استفاضہ اور افاضہ کی نوبت آئی، اب اس کی خوشحالی تعمیری ترقی کی حالت میں بھی اس کو دیکھوں مگر اب بیماری اور اس عمر میں سفر مشکل ہی معلوم ہوتا ہے اور کہنے کو دل چاہتا ہے لیت الشباب یعود ولیکن وما ذلك علی اللہ بعزیز۔

مکاتیب حضرت والد صاحبؒ

حضرت والد صاحبؒ کا پہلا مکتوب گرامی تو خانگی حالات کی اطلاع پر ہی مشتمل ہے اور مولانا ظہور احمد صاحب وغیرہ اساتذہ و متعلقین جامعہ کی خدمت میں سلام مسنون اور دعاؤں کا تذکرہ ہے، یہ مکتوب فقیروالی سے تعطیلات میں راجپورہ واپس آ کر لکھا گیا ۱۷/رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ کی تاریخ اس پر ثبت ہے، احقر کے راجپورہ میں قرآن شریف سنانے کا ذکر بھی ''قاری صاحب راجپورہ میں قرآن شریف سنا رہے ہیں'' کے الفاظ کے ساتھ فرمایا گیا ہے۔ حضرت الشیخ مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی رہائی کے بعد دیوبند جلد جانے کے دلی تقاضا اور حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوبؒ خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانویؒ کے وصال پر ان کے ساتھ خصوصی تعلقات کی وجہ سے ان کے یہاں جانے کی ضرورت کا اظہار فرمایا گیا ہے لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ فقیروالی جلد واپسی کا ارادہ ہونے کی وجہ سے وقت میں گنجائش نظر نہیں آئی اور سفر کے طویل ہونے کا عذر مزید تھا یہ ارادہ شاید پورا نہیں ہو سکا۔ دوسرا مکتوب گرامی اس سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں احقر کے بخار وغیرہ کی تکلیف اور علاج کا ذکر فرمایا گیا ہے اور اسی وجہ سے اپنے ساتھ فقیروالی لے گئے تھے۔ سرہند شریف جس میں حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کا مزار ہے بہت ہی مختصر آبادی رہ گئی تھی اس کے متصل ہی ایک بڑا قصبہ بسی کے نام

سے ہے اس لئے دونوں کو ملا کر سرہندبی مشہور ہو گیا اسی جگہ کے حکیم صاحب کا اس مکتوب میں ذکر فرمایا گیا ہے۔ تیسرے مکتوب گرامی میں احقر کے دیوبند چلے جانے کی اجازت کا ذکر ہے، فقیر والی سے آنے کے بعد شوال ۱۳۶۳ھ میں میرا داخلہ دیوبند میں ہوا تھا اس میں ہفتۂ عشرہ تک فرصت ہونے پر فقیر والی آنے کے ارادہ کا اظہار ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ ۲۰ رشوال تک پہنچنے کا مہتمم صاحب مرحوم نے فرمایا تھا۔ اس مکتوب گرامی میں طلباء کے چھوٹے اسباق کے شروع کرا دینے اور بڑے اسباق کے متعلق ۲۱ رشوال کو تجویز و تقسیم کی اطلاع دی گئی تھی اور ۲۲ رشوال کو اسباق شروع کرنے کے متعلق لکھا تھا مگر ہوا یہ کہ دورہ کے متعلق مہتمم صاحب مرحوم نے جو یہ تحریر فرمایا تھا کہ اس کا سلسلہ یہاں نہ رکھا جائے اسی کے مطابق عمل کیا گیا اور طلبہ کو دیکھ کر شوال میں مشورہ کا جو خیال تھا اس کا موقع نہیں رہا اور حضرت مولانا فضل محمد صاحب مرحوم خود راجپورہ تشریف لائے اور سامان واپس کر گئے۔

حضرت والد صاحب کو دورہ کیلئے بلایا گیا تھا جب وہ سلسلہ نہ رہا تو قدرتی طور پر آپ وہاں تشریف نہ لے جا سکے اور نہ احقر کا جانا ہوا۔ تقسیم کے بعد حضرت والد صاحبؒ کی وفات ۱۹۴۹ء کو ساہیوال ضلع سرگودھا میں ہوئی اس کے ایک عرصہ بعد ایک مرتبہ خیر المدارس ملتان کے سالانہ جلسہ میں مولانا فضل محمد صاحب مرحوم سے ملاقات ہوئی اور انہوں نے کلمات تعزیت اور تأسف کا اظہار فرمایا۔

مکتوب گرامی بنام احقر

عرصہ ہوا جب تفسیر ''جواہرالقرآن'' پر احقر کی تالیف ''ہدایۃ الحیران'' طبع ہوئی اور ماہنامہ البلاغ کراچی میں اس پر تبصرہ شائع ہوا تو اس وقت حضرت مولانا مرحوم نے ازراہ شفقت وعنایت احقر کو ذیل کا مکتوب گرامی تحریر فرمایا جو احقر کیلئے باعث سعادت ہے ،اس کا ایک ایک لفظ موصوف کی تواضع اور خوردنوازی کا آئینہ دار ہے۔

عزیز القدر مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی زید مجدہ!

سلام مسنون　　مزاج شریف؟

امید ہے کہ آپ مع متعلقین ہرطرح بعافیت ہوں گے، گذارش اینکہ ماہنامہ البلاغ بابت ماہ صفر ۱۳۹۱ھ میں آپ کی تالیف ''ہدایۃ الحیران'' پر تبصرہ نظر افروز ہوا پڑھ کر بڑی مسرت اور بہجت حاصل ہوئی کہ حق تعالیٰ نے آپ کو بڑا علمی مقام عطا فرمایا ہے، ایسی علمی کتاب پر انتقاد کیلئے بڑے علم وفضل ،غیر معمولی ذکاوت وذہانت اور بے پناہ ژرف نگاہی وباریک بینی کی ضرورت ہے، حق تعالیٰ نے یہ سب اوصاف آپ میں بدرجہ اتم جمع فرما دیے ہیں، آپ کو یاد ہوگا کہ آپ اس دور میں جب کہ آپ کے والد ماجد قدس سرہ ادارہ ہذا میں شیخ الحدیث تھے مدرسہ ہذا میں زیر تعلیم تھے، ہمارے لئے اس میں مسرت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ادارہ ہذا میں پڑھنے والا ایک طالب علم اتنے بڑے علمی منصب پر فائز ہو چکا ہے،

آپ سے سابقہ مراسم وروابط کی وجہ سے امید تھی کہ آپ اس کا ایک نسخہ ادارہ ہذا کیلئے بھی ارسال فرمادیں گے، شاید ہمارا نام آپ کی لوح ذہن سے ہی محو ہو چکا ہو، اب آپ اولین فرصت میں ''ہدایۃ الحیر ان'' ایک عدد بذریعہ وی پی ارسال فرما کر مشکور ہوں۔

فضل محمد غفرلہ

مہتمم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر

حضرت مولانا کا یہ مکتوب مورخہ ۹/ربیع الثانی ۱۳۹۱ھ کو موصول ہوا احقر نے گرامی نامہ ملتے ہی کتاب ارسال خدمت کردی تھی، افسوس کہ اس کے بعد پھر کبھی خط وکتابت کا موقع نہ ملا اور نہ ہی کسی اور جگہ حضرت مرحوم سے ملاقات ہوئی تا آنکہ یہ عظیم ہستی ۱۴۰۱ھ میں راہ ملک عدم ہوئی انا للّٰہ وانا الیہ راجعون، اعلی اللّٰہ درجاتہ فی اعلی علیین، امین۔

قیام پاکستان کے بعد اب تک پھر دوبارہ قاسم العلوم بھی حاضری کا موقع نہیں ہوا، کمزوری اور بڑھاپے کے باوجود بہت دل چاہتا ہے کہ وہاں حاضر ہو کر ایک مرتبہ پھر جامعہ، اس کے کتب خانہ اور اساتذہ کرام اور طلبہ کو دیکھوں اور نصف صدی پہلے کے حسین مناظر کی یاد سے دل کو خوش کروں، اور وہاں بیتے ہوئے خوش گوار ایام یاد آنے پر بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو دل چاہتا ہے۔

اِذْ تَذَکَّرْتُ اَیَّامًا لَّنَا سَلَفَتْ　　　اَقُوْلُ بِاللّٰہِ یَا اَیَّامَنَا عُوْدِیْ

اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ضرور کسی موقع پر دل کی یہ دیرینہ خواہش بھی پوری ہوگی واللہ الموفق والمعین ۔ مولانا مرحوم کی سوانح دیکھی تو عہد رفتہ کی یہ چند یادیں ذہن میں گھوم گئیں دل نے چاہا کہ آپ کو بھی اس میں شریک کرلوں سر دست انہیں پر اکتفا کرتا ہوں، آپ کیلئے جامعہ کیلئے اور حضرت موصوف اور تمام اکابر کیلئے دل سے دعا گو ہوں اور دعا چاہتا ہوں ۔ فقط والسلام

۱۸/ ذیقعدہ ۱۴۱۷ھ